Regd. No. A. 922
Telephone, No.: 29
Telegram: "ANJUMAN"

قیمت سالانہ تین روپے
ایک پرچہ نئے دس پیسے
تاریخ اشاعت
۱، ۸، ۱۵، ۲۲

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

# ہماری زبان

ایڈیٹر :- آل احمد سرور

جلد ۱۶ | علی گڑھ - ۸ اپریل ۱۹۵۷ ع | شمارہ ۱۴

## رفتار

خلیل الرحمٰن اعظمی

پچھلے چند سالوں میں اردو شاعری نے جہاں بہت سی منزلیں طے کی ہیں اور کئی ایک صحت مند اور امید افزا میلانات نے پرورش پائی ہے وہاں یہ حقیقت بھی کچھ کم دلچسپ نہیں ہے کہ جدید شاعروں نے اب اردو غزل کے ساتھ مذاق کرنا شروع کر دیا ہے۔ جو لوگ اردو کے ادبی رسائل کا پابندی سے مطالعہ کرتے ہیں ان کو شاید اس کا اندازہ ہوگا کہ اچھے خاصے معیاری پرچوں میں غزل کے ایسے ایسے مضحکہ خیز نمونے سامنے آتے ہیں جنھیں پڑھنے کے بعد ہنسی ضبط کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ ہماری تمام اصناف سخن میں غزل سب سے زیادہ لچکدار صنف سخن ہے یہ معنوی طور پر تو بہت سے انقلابات کو سہار سکتی ہے لیکن اس کے اوپری ڈھانچے کو اپنا تختۂ مشق بنانا یا طرح طرح کے پینتروں اور دماغی جمناسٹک کے لئے استعمال کرنا اس کے حسن کو ملیا میٹ کرنے کے مترادف ہے۔ غزل ایک لطیف صنف سخن ہے اس کا مخصوص ذخیرہ الفاظ اور متعین علامات ہیں۔ اچھی غزل کہنے کے لئے جذبات کی شدت، احساسات کی نزاکت، تہ داری، ضبط و توازن، نکھرا ہوا احساس جمال اور ایک کلاسیکی لہجے کی ضرورت ہے اس کے بغیر غزل کے اشعار اپنا اثر کھو بیٹھتے ہیں اور ان کا دامن یکسر خالی ہو جاتا ہے۔ اردو شاعری کی تاریخ میں ایسی بہت سی مثالیں ہیں جب ہمارے شعراء نے پہلوانی اور کرتب دکھانے کے لئے انوکھی زمینوں اور مضحکہ خیز ردیف و قافیوں میں طبع آزمائی کی اور جاگیردارانہ سماج میں جب لوگوں کے پاس افیون کھانے اور بٹیر لڑانے کے لئے کافی وقت تھا ان غزلوں کی خوب خوب داد دی گئی لیکن آج یہ سارا کلام نہ صرف یہ کہ بے روح نظر آتا ہے بلکہ اسے ہم "مشاقی" کے دائرے میں رکھنے کے لئے مجبور ہیں۔ اردو غزل نے ہمیں میر، قائم، درد، آتش، غالب، مومن، شیفتہ، شاد عظیم آبادی، حسرت، اصغر، فانی، جگر، یگانہ اور فراق جیسے شاعر دیئے۔ جدید شعراء میں جذبی، مجاز، فیض اور مجروح کے یہاں اچھی غزل کے نمونے مل جائیں گے۔ بیسویں صدی میں اردو غزل میں موضوعات اور کیفیات کے اعتبار سے بے انتہا تبدیلیاں ہوئی ہیں اور یہی وجہ ہے کہ غزل آج بھی اپنے زمانے کا ساتھ دے رہی ہے اور ہمارے بعض حواس کی تسکین کے لئے ایک ایسی صنف ہے جس کی جگہ دوسری اصناف نہیں لے سکتیں لیکن اردو غزل کے سرمائے کا مطالعہ کرتے وقت نئے شاعروں کو یہ ضرور لحاظ رکھنا چاہیے کہ غزل کی کون سی روایات زندہ رکھنے کے قابل ہیں اور کون سی ایسی ہیں جو محض اپنے دور کے ساتھ مخصوص تھیں۔ اسی طرح ان تمام بڑے شعراء کو پڑھتے وقت بھی اس بات کی طرف سے غافل نہیں ہونا چاہیے کہ ان کے یہاں بھی بعض زائد عناصر راہ پا گئے ہیں۔ ہمیں ان زائد عناصر کو کاٹ چھانٹ کر صرف صالح اور صحت مند روایات کی پیروی کرنی چاہیے۔ پچھلے چند سالوں میں ایسا معلوم ہوتا ہے۔ ہمارے بہت سے شعراء جذبات و احساسات کے لحاظ سے بانجھ ہو گئے ہیں دوسری طرف وقتی اور سیاسی موضوعات پر نظمیں لکھنے والوں کو ناکامی ہوئی تو ان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ کیا کریں۔ ایسے موقعے پر کہا جا سکتا ہے کہ جب آپ کے پاس کچھ کہنے کے لئے نہیں ہے تو «شعر گفتن چہ ضرور» لیکن یہ بھی نفسیات کا ایک دلچسپ نکتہ ہے کہ اعلیٰ درجے کے شاعر تو دس دس سال تک خاموش رہ کر زندگی گزار سکتے ہیں لیکن دوسرے اور تیسرے درجے کے شاعر اپنے فن اور اپنی شخصیت پر اعتماد نہ رکھنے کی وجہ سے ہمیشہ اپنا نام چھپا ہوا دیکھنے کے خواہش مند ہوتے ہیں۔ وہ سوچتے ہیں کہ اگر دو چار سال رسالوں میں ان کی کوئی چیز نظر نہ آئی تو ان کا نام لوح جہاں سے یکسر مٹ جائے گا۔ اپنے آپ کو زندہ رکھنے کے

بنے مارے باندھے جو شاعری بھی ہوگی ۔ اس کا مصنوعی ہونا ضروری ہے
بنے شاعر بھی اب انوکھی زمینوں اور لمبے لمبے ردیف قافیوں کی
تلاش میں رہتے ہیں اور ان کی غزلیں پڑھ کر شاہ نصیر وغیرہ کی شاعری
یاد آنے لگتی ہے ۔ اس کی چند مثالیں دیکھئے :

بدل ہی دیں گے نظام دوراں ہم ایسے آوارہ لوگ ساقی
ازل سے ہیں انقلاب ساماں ہم ایسے آوارہ لوگ ساقی

(مجیب خیرآبادی)

جو تری افشاں سنواریں زندگی اے زندگی
روز و شب ایسے گزاریں زندگی اے زندگی (جلیل حشمی)

کیوں ہو گئی اے شمع تری بزم سخن چپ
دل چپ ہے نظر چپ ہے زباں چپ ہے دہن چپ (حمایت علی شاعر)

ستارہ جگنگاؤ شہر در شہر
سہانے گیت گاؤ شہر در شہر (تمہید الاسلام سعید)

جلوۂ برق در قفس شرر ہے صبح بہار و شام نگاراں
پھر بھی متاع اہل نظر ہے صبح بہار و شام نگاراں (عبدالرؤف عروج)

خاموش ہے کچھ آج غم یار سر شام
گویا کہ ہر اک لمحہ ہے بیزار سر شام (باقی)

یہی نہیں بلکہ بعض شاعر تو ایک ایک کرکے درخت ، پھول ، پتی ، پھل ،
وغیرہ کو بطور ردیف استعمال کرنے لگے ہیں ۔ اختر ہوشیارپوری کی
ایک غزل کا مطلع یہ ہے

تھے کبھی حسن رہگذار درخت اب ہیں شیشہ سر مزار درخت

ان کی دوسری غزل یہ ہے :

ہم سے پوچھو کہ بیکراں تھے پھول کبھی دل تھے کبھی جہاں تھے پھول

اختر ہوشیارپوری کی تقلید میں دو اور نئے شاعروں نے اس
طرز میں کہا ہے ۔ ملاحظہ ہو ۔

دل فسردہ میں زندگی کے پھول دلربائی کے دلبری کے پھول
(ادیب سہیل)

کیا بتائیں کہاں کہاں تھے پھول خاک اڑتی ہے اب جہاں تھے پھول
(انجم راحت چغتائی)

ادیب سہیل کی ہی زمین میں ایک اور نوجوان شاعر حسن شبیر
نے جن کے دو مجموعے بھی شائع ہو چکے ہیں غزل کہی ہے جو اس وقت
میرے سامنے نہیں ہے اس میں ”آدمی کے پھول“ باندھا گیا ہے ۔
تمہید الاسلام سعید کے دو اور مطلعے ملاحظہ ہوں ۔

شب فرقت سے ڈر گیا ہے چاند جھیل میں پھر اتر گیا ہے چاند

ہم نے دیکھا ہے دیار چمن گاؤں میں خود سلگتے ہیں شعلہ بدن گاؤں میں
نئے دور کے شعرا کی غزلیں ایسی بھی ہوں کہ ان کو درخت ، پھول ، گاؤں

اور چاند کا ذکر کرکے انھوں نے بظاہر فطرت سے اپنی دلچسپی تو ظاہر کی ہے
لیکن بعض شاعروں کو ردیف تلاش کرنے پر بھی نہیں ملتی تو اپنے تخلص ہی کو
ردیف بنا بیٹھے ہیں ۔ غلام ربانی تاباں ایک مشاعرے میں اپنی تازہ ترین
غزل سنا رہے تھے پہلا مصرعہ یہ تھا

پیام سعادت دیتا ہے درس بکر وفن تاباں

سامعین حیرت میں پڑ گئے کہ آج تاباں صاحب اپنے متعلق یہ کیا ارشاد
فرما رہے ہیں ۔ دوسرا مصرعہ پڑھنے کے بعد غلط فہمی دور ہوئی اور معلوم
ہوا کہ تاباں تو صرف ردیف ہے ۔ دوسرا مصرعہ یوں ہے

بہت دلچسپ ہے واعظ کا انداز سخن تاباں

حمایت علی شاعر کی ایک نئی غزل کا مطلع یہ ہے :

آگ سے ملنے کی آس کیا شاعر درد کا اتنا پاس کیا شاعر

لفظی الٹ پھیر اور روایتی انداز میں کہنے کا نتیجہ یہ ہے کہ بعض
پامال اور فرسودہ مضامین کا خوب احیا ہو رہا ہے ۔ قیس کی دست صبا کی طرح ان
میں بعض جگہ ناصح ، واعظ اور محتسب وغیرہ کا استعارہ بڑی خوبی سے
نئے معنوں میں استعمال ہوا ہے اس کی وجہ پاکستان کے مخصوص حالات
ہیں ، لیکن غلام ربانی تاباں کے اس شعر کو آپ کیا کہیں گے

شیخ صاحب خلد میں کیا دیں گے حوروں کو جواب
ایک کافر پر حریفانہ نظر ہونے لگی

ایک ترقی پسند شاعر کے بجائے نوح ناروی کا شعر معلوم ہوتا ہے ۔ ابھی
پچھلے دنوں علی گڑھ کی ایک شعری نشست میں واثق جونپوری نے
اپنی تازہ ترین غزل سنائی ۔ ایک شعر کا پہلا مصرعہ پڑھ رہے تھے

بہت باتیں بناتا پھر رہا ہے شہر میں ناصح

ڈاکٹر عبدالعلیم صاحب نے اسے مقطع سمجھا اور ان کو گمان ہوا کہ شاید
یہ مصرعہ یوں ہے ۔ بہت باتیں بناتا پھر رہا ہے شہر میں واثق
روایتی شعر کہنے کا یہی صلہ ہے کہ خود شاعر اس کی لپیٹ میں آگیا بعض
اور نئی غزلوں کے نمونے دیکھئے ۔

ہر طرف اندھیرا ہے واہ کیا سویرا ہے
سب خطائیں میری ہیں ہر کمال تیرا ہے (نور بجنوری)

جس نے دیکھی حباب کی صورت بن گیا خود شراب کی صورت
جس کو تم نے سمجھ لیا توبہ جلتے جلتے خطاب کی صورت
(خادم)

آنکھوں پر الزام بہت ہیں خود بہت ہیں بام بہت ہیں
لب پر آہیں سینے خالی ایسے عاشق عام بہت ہیں (سلطان ادیب)

آزادی کا یہ پتا ہے اردو غزل کے مزاج کو کبھی راس نہ آسکے گا ۔ اس طرح کی غزلیں
کہنے والے بنانے سے شاعر کو روکا تو نہیں جا سکتا اور نہ ہی ہمارے ملک کے قانون
میں اس طرح کے روک تھام کی کوئی دفعہ ہے لیکن ان کے مضحکہ خیز پہلوؤں کو اس
لئے نمایاں کرنے کی ضرورت ہے کہ شاید اسی طرح ان شعرا کی اصلاح ہو سکے ۔

# ہماری زبان

٨ اپریل ١٩٥٧ء


## لیتھو یا ٹایپ

لیتھو یا ٹایپ کی بحث خاصی پرانی ہے۔ دونوں فریق بڑے جوش سے اپنے دلائل پیش کرتے ہیں، دونوں اپنی کہتے ہیں دوسرے کی نہیں سنتے۔ لیتھو کا رواج زیادہ رہا ہے۔ مگر اردو کی قدیم مطبوعات ٹایپ میں بھی ملتی ہیں۔ بیسویں صدی میں صحافت کی ضروریات، طباعت کی سہولت، صحت کے تقاضوں، وقت کی کفایت اور بڑی تعداد میں کتابیں چھاپنے کے سوال نے ٹایپ کی طرف خواص کا میلان بڑھا دیا ہے۔ عوام ٹایپ سے مانوس نہیں ہیں۔ انھیں نستعلیق کے دائرے زیادہ بھلے لگتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ اچھا نستعلیق خط زیادہ خوبصورت معلوم ہوتا ہے اور اس کے حسن و زیبائش کو نسخ نہیں پہنچتا، مگر اچھے کاتب اب کمیاب ہوتے ہیں، جدید ضروریات کے لئے ٹایپ رائٹر کے پرزوں اور وقت کی کفایت کا سوال اٹھ رہا ہے۔ اس لئے اب اس مسئلے پر قومی نقطۂ نظر سے کوئی فیصلہ ہونا چاہئے۔ ظاہر ہے کہ یہ کوئی عدالتی فیصلہ نہ ہوگا، نہ اس پر فوراً عمل ہو سکے گا۔ حکومت نے بھی جب نئے سکے جاری کئے تو تین سال پرانے سکوں کے چلن کے لئے دینے پڑے۔ اگر اردو کے نمائندہ ادارے، ممتاز اہل قلم اور صحافی اور ناشر اس مسئلے پر مل کر کوئی فیصلہ کریں تو رفتہ رفتہ اسے نافذ کیا جا سکتا ہے۔ ایسے فیصلے میں اب دیر نہیں کرنی چاہئے۔ انجمن کی کانفرنس میں رسم خط کمیٹی کی رپورٹ پیش ہوگی۔ اس وقت اس امر کا فیصلہ مناسب ہوگا۔

ہماری رائے یہ ہے کہ چھپائی کے لئے نسخ اختیار کرنا چاہئے اور لکھائی کے لئے نستعلیق سے بدستور کام لینا چاہئے۔ عام طور پر اخبار، رسالے، کتابیں نسخ میں چھپیں، خاص ایڈیشن جو ایک محدود حلقے کے لئے ہوتے ہیں، نستعلیق میں نکالے جائیں۔ یعنی موجودہ صورت کے برعکس طریقہ ہو۔ اب عام طور پر کتابیں اور اخبارات نستعلیق میں لیتھو کے ذریعے سے چھپتے ہیں۔ خاص خاص کتابیں نسخ کے ذریعہ سے ٹایپ میں چھاپی جاتی ہیں۔ آف سیٹ یا بلاک کے ذریعے سے نستعلیق میں چھپائی اچھی ہوتی ہے۔ مگر یہ طریقہ خاصا مہنگا ہے اور ہمارے موجودہ وسائل کو دیکھتے ہوئے صرف بڑے ادارے اس طریقے پر چل سکتے ہیں۔ ساری زبانوں کا کام ٹایپ کے ذریعے سے ہوتا ہے صرف ہم اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنائے ہوئے ہیں۔ بچوں، بالغوں اور عام پڑھنے والوں کے لئے اب مصور کتابوں کی ضرورت ہے جن کی چھپائی میں اس لحاظ سے خاصی زحمت ہے۔ شرکت تیمنہ بمبئی سے جو کتابیں چھپی ہیں ان کا ٹایپ اچھا ہے۔ بیروتی ٹایپ کے جو نمونے دیکھنے میں آئے ہیں وہ بھی برے نہیں۔ اس کے علاوہ سجاد مرزا صاحب نے برسوں کی کوشش کے بعد بنیادی ٹایپ کو مکمل کیا ہے اور حیدرآباد میں بعض کتابیں، اعلان اور پوسٹر اس میں چھپے ہیں ان میں سے کوئی ایک ٹایپ اختیار کیا جا سکتا ہے۔ لکھنے کے لئے نستعلیق کا رواج ہی بہتر ہوگا۔ خوشنویسی کی روایت اب بھی باقی ہے۔ اسے ختم کرنا مناسب نہ ہوگا۔ انگریزی میں بھی چھپائی اور لکھائی کے لئے علیحدہ علیحدہ حروف ہیں۔ اردو میں تو پھر بھی نسخ اور نستعلیق میں خاص مماثلت ہے۔ اس سلسلے میں روایت پرستی کے بجائے موجودہ ضروریات کا لحاظ زیادہ مناسب ہوگا۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہماری زبان میں اس مسئلے پر آزادی سے اظہار خیال ہو۔

صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کے لئے

## چناؤ اور اردو

چناؤ کا زمانہ بھی خوب ہوتا ہے۔ قوم کی نفسیات، لیڈروں کی کرامات اور عوام کی حرکات کا جتنا علم اس زمانے میں ہوتا ہے کسی اور حالت میں نہیں ہو سکتا۔ اردو ہی کو لے لیجئے۔ بڑے بڑے تند خو اور سرگرم ہندی لیڈر اس زمانے میں ایسی فصاحت اور روانی سے اردو بولتے ہیں کہ حیرت ہوتی ہے۔ ایسے ایسے نعرے ایجاد ہوتے ہیں کہ [illegible]۔ نظمیں بھی خوب خوب لکھی جاتی ہیں اور پمفلٹ کے دفتر بھی کھلتے ہیں کوئی ایک خوش آئند مستقبل کی بشارت دیتا ہے کوئی آنے والے خطروں سے ڈراتا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہماری زبان کے پڑھنے والے اس نعمت سے ہمیں محروم نہ رکھیں بلکہ ان کے حلقے میں جو نظمیں پڑھی گئیں یا نعرے لگائے گئے یا اعلان شائع ہوئے ان کی نقلیں ہمیں بھیج دیں۔ اردو کی مقبولیت کا ہر نمونہ ہم دفتر میں محفوظ رکھنا چاہتے ہیں۔ بہتر یہی پہلو ہے کہ ان کے مطالعے کے بعد شاید روزمرہ کی بے رنگ اور ہموار زندگی کچھ اور گوارا ہو جائے اور نشاط زیست کچھ اور بڑھ جائے۔ یعنی نعرے اور خواب دونوں پر نظر ہے۔

**ریڈیو پر ادبی اجتماعات** [illegible]

# معاصرین

## ہندستانی صحافت

ہندستان میں کل ۷،۶۹۹ اخبارات شائع ہوتے ہیں۔ اور یہ مجموعی اعداد و شمار ہیں۔ ان میں ۳۳۰ روزنامے ہیں۔ ۲۴۴ روزنامے صرف بازار کے نرخ شائع کرتے ہیں۔ بقیہ تعداد میں ۲۱ پابندی سے شائع نہ ہونے والے روزنامے، ۱۰ دو روزہ، ۴۴ سہ روزہ، ۱۱۰۸ ہفت روزہ، ۴۶۹ پندرہ روزہ، ۱۹۸۵ ماہنامے اور ۱۰۷۱ دو ماہی، سہ ماہی، ششماہی اور سالانہ جرائد ہیں۔

سب سے زیادہ روزنامے بمبئی سے شائع ہوتے ہیں۔ بمبئی سے شائع ہونے والے روزناموں کی تعداد ۷۱ ہے۔ اس کے بعد اتر پردیش کا نمبر ہے جہاں سے ۴۹ روزنامے شائع ہوتے ہیں۔ مغربی بنگال سے ۲۲، مدراس سے ۲۵، میسور سے ۲۵، پنجاب سے ۲۱، حیدرآباد سے ۱۶، مدھیہ پردیش سے ۱۱، بہار سے ۹، مدھیہ بھارت سے ۹، راجستھان سے ۱۰، اجمیر سے ۶، اڑیسہ سے ۴، سوراشٹر سے ۳، کچھ سے ۲، بھوپال سے ۲، آسام سے ۲ اور منی پور سے ۲ روزنامے شائع ہوتے ہیں۔

ہندی میں شائع ہونے والے روزناموں کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔ ہندی میں ۷۶ روزنامے شائع ہوتے ہیں۔ اس کے بعد اردو کا نمبر ہے۔ اردو میں ۶۰ روزنامے شائع ہوتے ہیں۔ علاوہ ازیں انگریزی میں ۴۱، مرہٹی میں ۲۶، کنڑ میں ۲۵، گجراتی میں ۲۳، ملیالم میں ۲۰، تامل میں ۲۰، پنجابی میں ۹، بنگالی میں ۸، تلگو میں ۶، اڑیہ میں ۴، اور آسامی زبان میں ایک روزنامہ شائع ہوتا ہے۔ کلکتہ سے ایک اخبار چینی زبان میں بھی نکلتا ہے۔

ہندستان میں ہفت روزہ، ماہنامہ اور دیگر مقررہ مدت میں شائع ہونے والے جرائد کی تعداد روزناموں سے بہت زیادہ ہے اس کے باوجود بھی ان کی حالت تشویشناک ہے۔ زیادہ تر جرائد ایسے ہیں جو سیاسی اور سماجی مسائل پر اچھی طرح غور کرنے کے قابل ہی نہیں ہیں۔ مقررہ مدت میں شائع ہونے والے جرائد میں فلمی اور افسانوں کی اشاعت کرنے والے جرائد کی تعداد زیادہ ہے۔

فروخت کے نقطۂ نظر سے بھی مقررہ مدت میں شائع ہونے والے جرائد میں فلمی اور افسانوں کی اشاعت کرنے والے جرائد کی تعداد زیادہ ہے۔

فروخت کے نقطۂ نظر سے مقررہ مدت میں شائع ہونے والے جرائد میں اول نمبر فلم فیئر (بمبئی) کا ہے جولائی تا ستمبر ۵۵ء کے اعداد و شمار کے مطابق فلم فیئر کے ایک لاکھ سے زیادہ پرچے فروخت ہوتے ہیں۔ دوسرا نمبر شمع (دہلی) کا ہے اس جریدہ کی اشاعت ۹۰ ہزار ہے یہ دونوں جرائد فلم سے متعلق ہیں۔ ۵۰ ہزار سے زائد کی تعداد میں شائع ہونے والے ہفت روزہ جرائد حسب ذیل ہیں۔

آنند وکٹن (مدراس)، بھارت جیوتی (بمبئی)، السٹریٹڈ ویکلی آف انڈیا (بمبئی) اور دھرم یگ (بمبئی)

۲۵ ہزار سے زائد لیکن ۵۰ ہزار سے کم چھپنے والے جرائد یہ ہیں۔ خوبصورت کہانیاں (الٰہ آباد)، مایا (الٰہ آباد)، عروج (مرادآباد)، کلکنڈ، کمکم (مدراس)، آستانہ (دہلی)، بیسویں صدی (دہلی)، جاسوسی دنیا (الٰہ آباد)، رومانی دنیا، نکہت (الٰہ آباد)، آخر الذکر دو رسائل ہر ماہ اپنی اشاعت میں ایک مکمل ناول پیش کرتے ہیں۔ سنتوش بھارتی۔ (صبح امید بمبئی)

## قاضی نذرالاسلام پردۂ سیمیں پر

مغربی بنگال (بھارت) کی حکومت نے بنگال کے مشہور انقلابی شاعر قاضی نذرالاسلام کی زندگی سے متعلق دو ہزار فٹ لمبی ایک مختصر فلم تیار کی ہے۔ گذشتہ دنوں بھارتی ہائی کمشن متعینہ پاکستان نے اس کا ایک پرائیوٹ شو بھی کیا۔ اس فلم میں جیل کی وہ کوٹھری بھی دکھائی گئی جس میں قاضی نذرالاسلام ۱۹۲۲ء، ۱۹۲۳ء میں قید رہے تھے۔ حکومت پاکستان کی درخواست پر اس فلم کی ایک کاپی حکومت مشرقی پاکستان کو بھی بھیجی گئی ہے ضرورت ہے کہ حکومت پاکستان ملک کے ہر دو حصوں میں اس فلم کی وسیع پیمانے پر نمائش کرے تاکہ ہمارے عوام اس عظیم شاعر کی زندگی سے آشنا ہو سکیں اس کے ساتھ ہی اس کی تمام آمدنی قاضی نذرالاسلام صاحب کو دی جائے جو ان دنوں ایک لاعلاج دماغی مرض میں مبتلا ہیں۔ (افکار کراچی)

# انجمن کی خبریں

## مرکزی انجمن

۱۹ مارچ ۱۹۵۶ء کو مرکزی انجمن کی مختلف کمیٹیوں کے جلسے دفتر انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ میں منعقد ہوئے۔ جس میں گزشتہ سال کے کاموں کا جائزہ لیا گیا اور آئندہ کا پروگرام بنایا۔

۵۷-۱۹۵۶ء کے بجٹ پر غور کیا گیا اور کچھ رد و بدل کے بعد تخمینی بجٹ منظور ہوا۔ مقامی اردو کانفرنس کے انعقاد کی تاریخوں پر دیر تک سوچنے کے بعد طے کیا گیا کہ ۳۰ اور ۳۱ جولائی ۱۹۵۶ء کو منعقد کی جائے۔ اردو لغت کی تالیفی اسکیم اور اخراجات کا تخمینہ جو لغت کمیٹی نے تیار کیا تھا زیر بحث آیا اور لغت کی تالیفی اسکیم کی بنیادی اصول سے اتفاق کیا گیا اور مالی تخمینہ منظور ہوا۔

تمام جلسے صدر انجمن جناب بشیر حسین صاحب زیدی کی صدارت میں ہوئے۔ جناب صدر کے علاوہ اراکین ذیل نے شرکت فرمائی۔

۱. جناب عبدالمجید خواجہ صاحب
۲. جناب پنڈت سندر لال صاحب
۳. مولوی حبیب الرحمن صاحب
۴. مولوی فضل الرحمن صاحب
۵. جناب حامد علی خاں صاحب
۶. پروفیسر رشید احمد صدیقی صاحب
۷. ڈاکٹر عبدالعلیم صاحب
۸. پروفیسر مسعود حسین خاں صاحب
۹. جناب حیات اللہ انصاری صاحب
۱۰. آل احمد سرور صاحب

## سہسوان

انجمن ترقی اردو سہسوان کا ایک جلسہ ۲۰ مارچ ۱۹۵۶ء کو حافظ محمد حسین صاحب کے مکان پر زیر صدارت حکیم سید عبدالقوی صاحب ہوا جس میں حسب ذیل امور طے پائے۔

۱. شاخ انجمن کے کم سے کم ۵ ممبر بنا کر ممبروں کا جلسہ طلب کیا جائے جس میں مجلس منتظمہ کے اراکین کا انتخاب عمل میں لایا جائے اس کے بعد مجلس منتظمہ اپنے دستور کے مطابق انجمن و انجمن سے ملحق لائبریری کو چلائے اور اس کے انتظام پر غور کرے۔

۲. ممبر بنانے کے سلسلے میں حسب ذیل حضرات پر مشتمل ایک کمیٹی بنائی گئی۔ محمد الحسن، سید مرتضیٰ حسین، محمد اسماعیل، ممتاز الحسن، جعفر الحسن، محمد علی، رشید احمد، احتشام حسین، رفعت الرحمن، سید شرافت حسین۔

۳. جلسے میں یہ طے ہوا کہ ۲۵ مارچ ۱۹۵۶ء سے لائبریری کی کتابیں لوگوں کو جاری کی جائیں بشرطیکہ کتابیں لینے والا ایک روپیہ فیس داخلہ اور ماہانہ فیس دو آنے پیشگی ادا کرے۔

سید شرافت حسین صاحب کو لائبریری کا نگراں مقرر کیا گیا۔

## یوم بھگت سنگھ

انجمن ترقی اردو سنگھ بھوم جمشید پور کی طرف سے ۲۳ مارچ ۱۹۵۶ء کو یوم بھگت سنگھ منایا گیا۔

جناب سید محمود عزیزی نے جلسے کی صدارت کی۔ جناب جمیل احمد خیر کی تقریر کے بعد سردار سنت سنگھ، صدر مرکزی گوردوارہ کمیٹی نے پنجابی میں تقریر کی اور فرمایا کہ انجمن ترقی اردو قابل مبارکباد ہے کہ اس نے یوم بھگت سنگھ منا کر ثابت کر دیا کہ قومی ہیرو کا احترام کرنا چاہئے۔

سردار سنت سنگھ کی تقریر کے بعد بھگت سنگھ پر نظمیں پڑھی گئیں۔ یہ جلسہ ۹ بجے رات سے شروع ہو کر صبح تک چلتا رہا۔ آخر میں کیف پرتاب گڑھی نے حاضرین اور شعرائے کرام کا شکریہ ادا کیا۔

حسب ذیل شعراء نے جلسے میں اپنا کلام سنایا۔

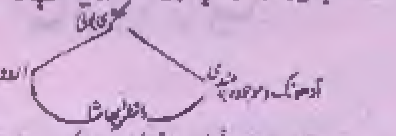
انور صابری، منظر شہاب، نازش پرتاب گڑھی، حبیب آرزوی، احسان دربھنگوی، کیف پرتاب گڑھی، مظہر امام، مضطر حیدری، اصغر راہی، روشن نجم، شفیع نشاط، غیرت سیوانوی، خادم علی گڑھی، بجوم سیوانوی، اختر سلام، احمد معصوم، عاشق فاروقی، سردار سیر سنگھ، چانکا سنگھ، ظفر ادیب، انجم کلکتوی، عاشق احمد، گلشن کمار کنول، سیف بھاگلپوری، سردار احمد منظر، محمد اسلم بیدر وغیرہ۔

## راشٹر بھاشا پرچار سمیتی اور اردو

انجمن ترقی اردو راجستھان کے جنرل سکریٹری مولوی احترام الدین صاحب شاغل نے راشٹر بھاشا پرچار سمیتی وردھا کے جنرل سکریٹری کے نام حسب ذیل چٹھی روانہ کی ہے۔

جناب من! میری چٹھی مورخہ ۸ مارچ کے جواب میں آپ کی چٹھی تاریخی ۲۰ مارچ وصول ہوئی۔ اس چٹھی میں آپ نے لکھا ہے کہ قدیم زمانے میں ہم کو ریختہ کہتے تھے اسی سے موجودہ اردو اور ہندی بنتی ہیں۔ یہی ان دونوں کے ایک ہونے کا ثبوت ہے ہم بحث تو کرنا نہیں چاہتے۔ اردو کا درجہ بھی ہمیں منظور ہے مگر ہم نے اپنی رائے آپ کی خدمت میں پیش کر دی ہے نیز ہندوستان کی کچھ زبانیں گناتے ہوئے سب ہی زبانوں کا نام لینا ضروری ہے نہ لازمی۔ ہمارے لئے قابل قدر بھی ہے اور باعث حیرت بھی۔ قابل قدر اس لئے کہ جناب والا نے صاف الفاظ میں اردو کا درجہ منظور فرمایا ہے اور باعث حیرت اس لئے کہ یہ منظور فرمانے کے بعد بھی کہ اردو کا ایک درجہ ہے۔ اردو اور ہندی کو ایک ہی زبان قرار دیا گیا ہے۔ اگر آپ کا یہ خیال صحیح ہوتا تو اس کے یہ معنی ہیں کہ اردو یا ہندی کا لفظ بول کر دونوں زبانیں مراد لی جا سکتی ہیں حالانکہ یہ حقیقت نہیں ہے اردو الگ مستقل زبان ہے اور ہندی جداگانہ بھاشا۔ ہاں یوں کہا جا سکتا ہے کہ دونوں زبانیں ایسی بہنیں ہیں جن میں کوئی عداوت نہیں۔

میرے محترم! یہ عجیب معاملہ ہے کہ آپ دونوں کو جدا جدا بھی مانتے ہیں اور ایک بھی۔ یہ اجتماع ضدین کیسا؟ یقیناً دونوں باتوں میں سے کوئی ایک ہی صحیح ہو سکتی ہے اور وہ یہی ہے کہ دونوں مسلمہ مستقل زبانیں ہیں۔ اس حقیقت کی تائید جناب ہی کے ادارے کی منظور کردہ کتاب راشٹر بھاشا سے بھی ہوتی ہے جو کہ (ایک امتحان) کے نصاب میں داخل ہے جس کا نقشہ یہ ہے۔




جناب والا راشٹر بھاشا کا پرچار کر رہے ہیں جس کی ہماری نظروں میں بڑی قدر ہے مگر راشٹر بھاشا کا ایک حصہ لے کر دوسرے کو نظر انداز کرنا تعجب خیز ہے۔ ہماری رائے میں وہی راشٹر بھاشا بہ لحاظ صحت سندی مفید زبان ہے اور ہو سکتی ہے جس کے دونوں بازو قوی اور کار آمد ہوں۔

جناب کا یہ خیال صحیح ہے اور ہمارا بھی یہی نظریہ ہے کہ بحث کرنا نہیں چاہتے اسی لئے جناب کی رائے حقیقت کی روشنی میں جناب ہی کے رو برو رکھ دی ہے اور اسی لئے مکرر بھی تکلیف دی جا رہی ہے کیونکہ ہمارا کہنا صرف اس قدر تھا اور ہے کہ اردو کو نظر انداز نہ کیا جائے۔ جہاں اور زبانوں کے نام ہندوستان کی کچھ بھاشاؤں میں سے آئیں وہاں اردو کا نام بھی ہونا چاہئے اس لئے کہ راشٹر بھاشا سے جو قریبی رشتہ اردو کا ہے وہ ہندی کے سوا کسی اور زبان کا نہیں۔ اس قرابت قریبہ کو ترک کرنا مناسب نہیں۔

انجمن ہذا نے اپنی چٹھی تاریخی ۲۰ مارچ ۱۹۷۵ء میں جناب کے ادارے سے متعلقہ امتحان کے کورس کی کتاب "راشٹر بھاشا تیسری پستک" کے حسب ذیل فقروں کی آئندہ ایڈیشن میں تصحیح کی جانب جناب کو توجہ دلائی تھی۔

(۱) "ہندوستان میں کئی بھاشائیں بولی جاتی ہیں ان میں ہندی بنگلہ، تلگو، مراٹھی، تامل، گجراتی، کنڑا، اڑیا، پنجابی، ملیالم، آسامی اور سندھی بھاشائیں مکھیہ ہیں۔"

## غزل

کیا ہوا جو ہو گئے گم ایک موسم کے نظارے
پھر نئے موسم کے ہونگے رنگ نیارے ڈھنگ نیارے

ماہ تو جب بھی کبھی ابھرا اداس ہی سے ابھرا
چودھویں نے چاند کتنے بزم ظلمت سے اتارے

ماہ رو! رفتار پیہم کا کوئی ساتھی نہیں ہے
ہم وہ پیچھے ول کا ہے اور اک پہر کے چاند تارے

زندگی کے تازہ دم جھونکوں میں لالہ بن کے مہکا
یہ وہی شعلہ ہے جو پتھر کا تھا پہلو میں ہمارے

دیکھنا وہ رات کے ساگر میں کس کی ناؤ ڈولی
موج کی صورت تڑپ کر ڈوبتی کو ہیں کنارے

پھر کسی جلوہ کا سرمہ گھل رہا ہے چشم نم میں
کانپتے ہیں جاگ کر پلکوں پہ قسمت کے ستارے

ہم سے پوچھو دل کے درماں کی حقیقت ہم سے پوچھو
ایک کانٹا بھی چبھے تو درد جاگ اٹھتے ہیں سارے

ہائے اس بچہ کی نرمی ہائے اس کی جاں فروزی
جس کا صدقہ صبح کی گاتی ہوئی لالی اتارے

ان میں تیری جوت جھلکی ان میں تیرا رنگ آیا
ہم نے تجھ سے دور رہ کر نقش جتنے بھی نکھارے

مر مٹے تو زندگی کی آرزو میں مر مٹے ہم
اور ہارے جیتنے کی آرزو میں جب بھی ہارے

اپنے انداز نظر سے حسن نظاروں نے پایا
پیار نے اپنے ابھارے کتنے منظر پیارے پیارے

زندگی ہے جستجوئے جاوداں کا نام شاید
کوئی پنچھی اپنی دھن میں پی کو رہ رہ کر پکارے

شفیق فاطمہ شعریٰ

کیونکہ اس فقرے کو پڑھ کر تعجب کی کوئی حد نہیں رہتی اس لئے کہ اردو جو ہندوستان کے گوشے گوشے میں بولی اور سمجھی جاتی ہے اور جس کے بولنے اور سمجھنے والوں کی تعداد مندرجہ صدر اکثر زبانوں کے بولنے والوں سے کہیں زیادہ ہے جیسا رپورٹ مردم شماری سے واضح ہے اور جس کو دستور ہند نے مسلمہ زبانوں کا درجہ دیا ہے اور جو ہندوستان کی ایک اہم ریاست (کشمیر) کی ریاستی زبان بھی ہے اس کا نام غائب، اور سندھی کہ جو دستور ہند کی مسلمہ زبان ہے نہ اس کا کوئی خاص رقبہ ہے۔ نہ ہندوستان میں ہر جگہ سمجھی جاتی ہے اس کا نام اس فہرست میں موجود ہے اور تو اور دائرہ نے یہ بھی تمام حقائق کو نظر انداز فرما کر جناب والا اس کا نام شامل کرنے کو تیار نہیں ہیں۔

(۲) "ہندی جب فارسی لیپی میں لکھی جاتی ہے تب اسے اردو کہتے ہیں۔"

جیسا کہ اوپر راشٹر بھاشا کے انکار کا حوالہ دیا گیا ہے یہ فقرہ ہوتا تو یوں چاہئے تھا "جب راشٹر بھاشا فارسی لیپی میں لکھی جاتی ہے تب اردو کہلاتی ہے" مگر ہوا یہ کہ اردو ہندی کی ایک شاخ بنا دی گئی جو سراسر غلط اور حقیقت پر پردہ ڈالنا ہے۔

ان دونوں تحریرات کے لئے جناب تیار نہیں ہیں جیسا کہ مضمون چٹھی سے ظاہر ہے جو آپ کی مرضی اگر اس قدر عرض کر دینا بیجا نہ ہوگا کہ جس ادارے کی باگ ڈور جناب کے ہاتھ میں ہے اور جس کو ہم بیحد مفید سمجھتے ہیں اور راشٹر بھاشا کے پرچار کی جس دل سے ہے اس کے اصول اور نظریات کے خلاف اس قسم کی ضد اس کے لئے مفید نہیں بلکہ مضر ہے جس کا ہمیں افسوس ہے۔

اسی چٹھی تاریخی ۲۳ میں آپ نے تحریر فرمایا کہ:

"اردو کا سوال آپ نے اٹھایا ہے وہ اہم ہوتے ہوئے بھی میری رائے میں غور کے قابل نہیں ہے۔"

یہ بھی عجیب حیرت انگیز نظریہ ہے کہ سوال کی اہمیت مانتے ہوئے بھی قابل غور نہیں تو کیا غیر اہم سوال قابل غور ہونا چاہئے۔ (باقی)

# مدھیہ پردیش انجمن ترقی اردو

(بحوالہ الفاروق کامٹی)

مجلس عاملہ انجمن ترقی اردو (مدھیہ پردیش) کا ایک جلسہ زیر صدارت جناب عبد الستار صاحب فاروقی مورخہ ۲۰ فروری ۱۹۵۷ء بمقام دولت کدہ شاکر اورنگ آبادی منعقد ہوا جس میں ہادی نقشبندی صاحب بالاپور، جناب حمید جمال صاحب بی۔ اے کامٹی، ہدایت حسین بی۔ اے ناگپور، ماسٹر متین صاحب بی۔ اے شاکر اورنگ آبادی صاحب جنرل سکریٹری اور حافظ جمیل الرحمن صاحب نائب صدر نے شرکت کی۔

## چند منظور شدہ تجاویز

(۱) مجلس عاملہ انجمن ترقی اردو مدھیہ پردیش کا یہ جلسہ حکومت بمبئی کے محکمہ تعلیمات اور بالخصوص محکمہ تعلیمات کی توجہ اس طرف مبذول کراتا ہے کہ انجمن حامی اسلام ناگپور کے تحت چلنے والے اردو پرائمری مدارس کی امداد فوری طور پر منظور کر کے رقوم کی ادائی کر دے تاکہ یہ مدارس رقم کی کمی کی وجہ سے بند ہونے سے بچ جائیں۔

(۲) گورنمنٹ گرلس ہائی اسکول صدر ناگپور میں اردو کی تعلیم دیگر زبانوں کے ساتھ ہونے کی وجہ سے اردو تعلیم پر برا اثر پڑ رہا ہے نیز اردو پڑھنے والی طالبات پر پوری توجہ بھی نہیں دی جاتی لہذا یہ جلسہ سفارش کرتا ہے کہ حکومت ناگپور جیسے مرکزی اور اہم مقام پر ایک علیحدہ اردو گرلز ہائی اسکول قائم کرنے پر غور فرمائے اور اردو بولنے والوں کے اس دیرینہ مطالبہ کو پورا کرے۔

(۳) یہ جلسہ مرکزی حکومت کے محکمہ نشر و اشاعت اور ڈائرکٹر آل انڈیا ریڈیو دہلی سے درخواست کرتا ہے کہ وہ اس علاقہ کے اردو بولنے والوں کی اس جائز شکایت پر غور فرمائیں۔ اور آل انڈیا ریڈیو ناگپور کو ہدایت کی جائے کہ وہ دیگر زبانوں کے پروگراموں کے ساتھ ساتھ وقتاً فوقتاً اردو زبان کے پروگرام بھی نشر کیا کرے۔

(۴) یہ جلسہ صدر انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ کو اس امر کی جانب توجہ دلاتا ہے کہ سابق میں تمام دستاویزی کاغذات اور سکوں پر اردو میں قیمت لکھی جاتی تھی جس کا جدید کاغذات اور سکوں پر عمل نہیں ہو رہا ہے لہذا وہ حکومت ہند کو اردو والوں کی اس جائز شکایت کی جانب توجہ دلا کر سابق دستور پر عمل پیرا کرانے کی کوشش کرے۔

(۵) مجلس عاملہ کا یہ جلسہ مرکزی انجمن کے اہتمام میں ہونے والی کل ہند اردو کانفرنس کا خیر مقدم کرتے ہوئے اپنے پورے پورے تعاون کا یقین دلاتا ہے اور اس کانفرنس میں شرکت کے لئے حسب ذیل نمائندے منتخب کرتا ہے (۱) عبد الستار صاحب فاروقی (۲) ہادی نقشبندی صاحب (۳) شاکر اورنگ آبادی صاحب (۴) حافظ جمیل الرحمن صاحب (۵) ... صاحب

(۶) یہ جلسہ ودربھ میں ایک اردو کالج کے قیام کی تجویز کا خیر مقدم کرتا ہے۔

(۷) مجلس عاملہ انجمن ترقی اردو مدھیہ پردیش کا یہ جلسہ کافی غور و خوض اور عملی تجربوں کی روشنی میں اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ لسانی بنیادوں پر جو موجودہ ریاستوں کی تشکیل عمل میں آئی ہے اس کے پیش نظر سابقہ مدھیہ پردیش انجمن ترقی اردو کو دو علاقوں ودربھ اور مہاکوشل میں تقسیم کر دیا جائے۔ نیز آئندہ انتخابات تک (یہ دونوں) مجالس علاحدہ اپنے اپنے علاقوں میں سابق دستور العمل کے مطابق کام کریں گی۔

# اردو دنیا

## نمائش اقبال

پاکستانی نیوز ڈائجسٹ کی اطلاع ہے کہ نیشنل میوزیم کراچی میں اقبال کی نمائش کا افتتاح بیگم صاحبہ مجید ملک نے کیا۔ اس نمائش میں ڈاکٹر اقبال کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تحریریں۔ نظم و نثر اور نوٹ وغیرہ ان کی چٹھی اور بعد کی تصویریں وغیرہ سلیقے سے ترتیب دی گئی ہیں۔ اس نمائش کا اقبال اکیڈمی نے اہتمام کیا ہے۔

## سوئپین کا ترجمہ

"پیام وطن" دلی کی اطلاع ہے کہ :-

فوجی قواعد میں ہندی الفاظ کے استعمال کے علاوہ اب فوج میں روزمرہ استعمال کی اصطلاحات کے لئے موزوں ہندی الفاظ ہر فوجی شعبوں کے متعدد افسران سے تبادلہ خیالات کے بعد وضع کر لئے گئے ہیں۔

ان مباحثوں میں توپوں اور سامان بوریوں کے الفاظ کیریج سے متعلق ٹیکنیکل الفاظ اور موبائل فورس میں ڈرل اور پریڈ میں استعمال ہونے والے متفرق جملوں پر غور و خوض ہوا۔ دفاعی تنظیم کے وزیر شری مہاویر تیاگی نے ہندی کے ان تبادل الفاظ پر نظر ثانی کی ہے

جس لفظ کا تبادل ہندی لفظ مقرر کرنے میں فوجی ہیڈکوارٹر کو سب سے زیادہ دقت پیش آئی وہ تھا "سوئپین" اور بالآخر اس کا ترجمہ "سفید پوش" سے پایا۔

## دو زبانی فہرستیں

وزارت تعلیم نے حال ہی میں ایسے ہندی اور اردو الفاظ کی متعدد فہرستیں مرتب کی ہیں جو ہندستان کی دوسری بڑی زبانوں مثلاً آسامی، گجراتی، بنگالی، کنڑ، کشمیری، ملیالم، مراٹھی، اڑیہ، پنجابی، تامل اور تیلگو کا حصہ بن گئے ہیں۔ ہندی اور بنگالی کے مشترک الفاظ کی فہرستیں حال میں شائع کر دی گئی ہیں۔ اس سلسلے کی دوسری فہرستیں بھی جلد شائع کی جائیں گی۔

ان فہرستوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے الفاظ کی تعداد کتنی زیادہ ہے جو ملک کے ایک بڑے حصے میں مشترک طور پر استعمال کئے جاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ مشترک الفاظ کا یہ ذخیرہ ہندی کو ایک کل ہند زبان بنانے کے لئے ایک عمدہ نقطہ آغاز فراہم کرتا ہے

اس کے علاوہ ان فہرستوں سے ہندی اور ہندستان کی دیگر جدید زبانوں میں سائنسی اور ٹیکنیکل الفاظ کی ایک معیاری لغت بنانے میں بھی مدد ملے گی۔ یاد رہے کہ وزارت تعلیم آج کل ایسی لغت تیار کرنے کے کام میں مصروف ہے۔

# دلچسپ

## گالیوں کا ذخیرہ

یہ خبر ملک کے اکثر سنجیدہ اخبارات میں آئی ہے کہ گورنر بمبئی نے اپنے ناگپور کے دورے کے موقع پر ساہتیہ سمیلن کے جلسے میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ ہندی زبان میں گالیوں کا جتنا زیادہ ذخیرہ ہے اتنا کسی اور زبان میں نہیں۔ جب کوئی اور زبان والا کسی پر اپنا غصہ اتارنا چاہتا ہے تو ہندی کے اس ذخیرے سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ غصے میں سلام کلام گفتگو کے لئے ہندی سے زیادہ موزوں کوئی اور زبان نہیں ہے۔ اس لئے اسے ہی قومی زبان ہونا چاہیے۔

راویوں کو دیکھتے ہوئے تو اس خبر کو صحیح ماننا پڑتا ہے۔ مگر کہنے والے کی طرف نظر جاتی ہے تو یقین نہیں آتا۔

ناطقہ سر بگریباں کہ اسے کیا کہئے۔

## لفظی لطیفہ

فن کار نیجی نے امریکہ کے مشہور جن ماٹس ٹیپ کے سلسلے میں ایک خبر دلچسپ انداز میں شائع کی ہے بیجری سرخی ہے۔

ہندستان کی "ذہانت" اور پاکستان کی "حیوانیت"

اس کے نیچے یہ اطلاع ہے کہ رانی جو ہندستان کی نظم ذہانت میں کام کر چکا ہے، پاکستان کی نظم حیوانیت میں کام کرنے کے لئے کراچی پہنچ گیا ہے۔

# علی گڑھ ہسٹری آف اردو لٹریچر

علی گڑھ ہسٹری آف اردو لٹریچر کی تیاری کے سلسلے میں ایک مشاورتی جلسہ ۲۲، ۲۳ مارچ بروز شنبہ و یکشنبہ سیمنار شعبۂ اردو میں پروفیسر رشید احمد صدیقی صدر شعبۂ اردو و ڈائرکٹر علی گڑھ ہسٹری کے زیر صدارت منعقد ہوا جس میں مقامی ادیبوں کے علاوہ باہر کے حسب ذیل ادیبوں نے ہماری دعوت پر کانفرنس میں شرکت کی۔

ڈاکٹر عابد حسین (دہلی) ڈاکٹر رام بابو سکسینہ (دہلی) مالک رام صاحب (دہلی) پروفیسر عبدالقادر سروری (حیدرآباد) قاضی عبدالودود صاحب (پٹنہ) پروفیسر اختر اورینوی (پٹنہ) ڈاکٹر محی الدین قادری زور (حیدرآباد) پروفیسر نجیب اشرف ندوی (بمبئی) ڈاکٹر اعجاز حسین (الٰہ آباد) احمد صدیق مجنوں گورکھپوری (گورکھپور)

شعبۂ اردو کے اساتذہ کے علاوہ پروفیسر ضیاء احمد بدایونی ڈاکٹر خلیق احمد نظامی، ڈاکٹر بی۔ ڈی۔ شرما۔ صدر شعبۂ سنسکرت و ہندی ڈاکٹر مختار الدین احمد۔ اور مس ثریا سلطانہ کانفرنس میں شریک ہوئے۔

کانفرنس کا افتتاح وائس چانسلر بالقابہ مسلم یونیورسٹی نے کیا اس کے بعد ایجنڈا پر بحث شروع ہوئی اور صبح و شام کی تین نشستوں کے بعد یہ طے پایا کہ تاریخ ادب اردو تقریباً تین ہزار صفحوں پر مشتمل پانچ جلدوں میں شائع ہو۔ ہر ایک جلد کی تقسیم اس طرح ہوگی

جلد اول　۱۲۰۰ء تا ۱۷۰۰ء

دیباچہ۔ ہند آریائی زبان کی مختصر تاریخ۔ فارسی و عربی کی آمیزش زبان اردو کا ارتقا اور ابتدائی زبان کے نمونے

سیاسی و سماجی حالت۔ گجرات میں اردو۔ دور بہمنی۔ دور قطب شاہی۔ دور عادل شاہی۔ ولی اور اس کا عہد۔ اثرات کرناٹک مدراس وغیرہ میں اردو۔ شمالی ہندوستان میں اردو۔ اشاریہ و کتابیات

جلد دوم　۱۷۰۰ء تا ۱۸۰۰ء

سیاسی و تمدنی پس منظر۔ فائز۔ آبرو۔ حاتم وغیرہ کا دور میر و سودا کا دور۔ دکنی شعراء و مصنفین۔ گجراتی شعراء نثر اردو۔ اشاریہ و کتابیات

جلد سوم　۱۸۰۰ء تا ۱۸۵۷ء

سیاسی و تمدنی پس منظر۔ دور انشاء و مصحفی۔ نظیر اکبر آبادی۔ فورٹ ولیم کالج۔ نثر اردو (داستانیں۔ مذہبی تحریریں) لکھنؤ اسکول دور غالب و مومن وغیرہ۔ دہلی کالج۔ خطوط نویسی۔ لغات اردو۔ اندر سبھا۔ ڈراما۔

جلد چہارم　۱۸۵۷ء تا ۱۹۱۴ء

سیاسی و تمدنی پس منظر۔ علی گڑھ تحریک۔ سرسید اور ان کے رفقا۔ آزاد۔ حالی۔ شبلی۔ اکبر۔ نواب مرزا شوق اور دوسرے مضمون نگار۔ امیر و داغ و جلال اور شعرائے رام پور۔ شعراء و مصنفین حیدرآباد وغیرہ۔ مقالہ نگاری۔ تاریخی و علمی سرمایہ کا جائزہ۔ اشاریہ اور کتابیات

جلد پنجم　۱۹۱۴ء تا ۱۹۵۷ء

جنگ عظیم　دور اقبال۔ جدید شاعری۔ غزل نظم۔ نئے ادبی تجربات (نظم و نثر) مقالہ نگاری۔ رومانوی تحریک۔ مزاح ادبی تنقید ادبی تحقیق۔ اہم ادارے آزادی کے بعد ادب کا جائزہ اشاریہ و کتابیات۔

خلیل احمد، اسسٹنٹ ڈائرکٹر

# کتابیں ملیں

(تبصرے کے لیے ہر کتاب کے دو نسخے آنا ضروری ہیں)

**آزادی کی نئی وسعتیں**: مصنف۔ ارون کنجھو۔ مترجم: گوپال متل
ناشر: نیشنل اکاڈمی۔ دہلی حجم ۲۰×۳۰ صفحات ۱۱۲ قیمت ۱/۸ روپے
کاغذ: اچھا

**عالمی سیاست میں جمہوریت**: مصنف: لیسٹر بی۔ پیرسن
مترجم: گوپال متل۔ ناشر: نیشنل اکاڈمی۔ دہلی
حجم ۲۰×۳۰ صفحات ۱۱۷ کاغذ اچھا۔ قیمت ۱/۸ روپے

**اردو قلمی کتابوں کی وضاحتی فہرست (کتب خانہ سالار جنگ، سوم)**
مرتبہ: نصیر الدین ہاشمی ناشر: کتب خانہ سالار جنگ۔ حیدرآباد (دکن)
حجم ۲۰×۳۰ صفحات ۴۸۸ کاغذ عمدہ قیمت بارہ روپے۔

CONTEMPORARY INDIAN LITERATURE
ناشر: ساہتیہ اکیڈمی۔ نئی دہلی۔
حجم ۲۰×۳۰ صفحات ۲۹۹۔ کاغذ اچھا

**سہل تجوید**: مصنف: ڈاکٹر سید کلیم اللہ حسینی
ملنے کا پتہ: قاری عبدالرحیم۔ حیدرآباد (دکن)
حجم ۲۰×۳۰ صفحات ۵۰۔ کاغذ اچھا۔

## شعراء کے انتخابی سلسلے کی چند کتابیں

۱۔ فیض　۲۔ مجروح　۳۔ اختر انصاری　۴۔ شاد عارفی
۵۔ مجاز　۶۔ اختر شیرانی　۷۔ جاں نثار اختر　۸۔ جوش ملیح آبادی
۹۔ مخدوم　۱۰۔ وحید　۱۱۔ جگن ناتھ آزاد

(ہر انتخاب کی قیمت بارہ آنے ہے)

**انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ**

# آثارِ ادبیہ

## مخمس رنگین

(بہ سلسلہ گزشتہ) مختارالدین احمد

یہ دونوں مخمس دیوانِ رنگین کے اس نسخے سے نقل کیے گئے ہیں جو میرے خیال کے مطابق خود رنگین کے پاس رہ چکا ہے اور جس میں اس نے اپنے قلم سے سینکڑوں اشعار کا اضافہ کیا ہے۔

اب دونوں مخمس ملاحظہ ہوں۔ درمیان سے کچھ بند نکال دئے گئے ہیں۔ بعض الفاظ کی قرأت مشکوک ہے۔

خلق میں رسوا ہوا اب کیا قیامت ہوگئی
مفت میں بیٹھے بٹھائے یہ ندامت ہوگئی
ہائے صد افسوس بدنامی نہایت ہوگئی
دیکھ کر اس کو جو اپنی اور حالت ہوگئی
جاہ ثابت ہوگئی یہ کیا قیامت ہوگئی

تو رکھے اپنے بغل میں آہ یوں اغیار کو
ہم جو عاشق ہیں ترے ترسیں ترے دیدار کو
جی جلا کر آپ تو میں نے کہا اس یار کو
رفتہ رفتہ تجھ سے اس عاشق غم خوار کو
ہوگیا رائی کا پربت وہ کہاوت ہوگئی

چشم دی تھی حق نے جوں ناسور بہنے کیلئے
دل دیا تھا ہم کو تیرے درد سہنے کے لئے
یوں بہت تھے یار پیارے تیرے کہنے کیلئے
ہم ہوئے تھے خاک اس کوچے میں رہنے کیلئے
آج کی آندھی میں سب برباد محنت ہوگئی

کوئی سسکے ہے پڑا، مرتا ہے کوئی بیقرار
کوئی زخمی چور ہے تڑپے ہے کوئی دل فگار
کوئی لوٹے ہے پڑا، روتا ہے کوئی زار زار
لٹ گئے لاکھوں کے دل اک جنبش ابروئے یار
شہر غارت ہوگئے یہ کیا اشارت ہوگئی

میں گیا بازار کو، تھا اتفاقاً مجھ کو کام
دل گیا رستے میں قسمت سے مجھے وہ جوش فام
نام پوچھا اس نے میرا اور نہ میں نے اس کا نام
اس نے مجھ سے ملاقاتی میں کی جھک کر سلام
آج میری اس کی یوں صاحب سلامت ہوگئی

عشق کا صدمہ اٹھا سکتا ہے ظالم ہر کوئی
بن سہے عاشق کہا سکتا ہے ظالم ہر کوئی
سامنے اب تیرے آسکتا ہے ظالم ہر کوئی
آنکھ اب تجھ سے لڑا سکتا ہے ظالم ہر کوئی
جب سے تو نے مجھ کو مارا سب کو جرأت ہوگئی

حال دل اپنا کہوں اب کس سے رنگین ہائے ہائے
شام سے تا صبح تک رو رو کروں ہوں زار زار
یاد کر شب میں گھڑی بھر بیٹھ بے قرار
اس قدر دم بھر بھی اس دل پر اپنے اختیار
معیشت اپنی جو تھی سو یوں ملامت ہوگئی

○

چھوڑ کے تنہا مجھے اپنے جو گھر جائے گا
جان اِدھر ہوئے گی یار اُدھر جائے گا
بزم سے مثلِ صبا کیوں کہ گزر جائے گا
میں بھی لگا جاؤں گا یار جدھر جائے گا
ورنہ مجھے بیچ تنہا یاں سے کدھر جائے گا

ہاتھ سے ان کے بہت ہم نے جفائیں سہیں
لیک نہ ناز جو کچھ ہم نے کہا ان کے تئیں
کچھ نہیں کرتی اثر ان کو نصیحت کہیں
دیدہ و دل مجھ سے کچھ پوچھ کے کرتی نہیں
جھوٹ سے آپس کے تو مفت میں ٹھہر جائے گا

منھ سے حیا کو نہ تو پردہ اٹھا ایک بار
آنکھیں ملا دے ہے کیا ہو تو تنک ایک شرمسار
مانگے تھا تو مجھ سے کیوں دیکھنے کو ایک بار
میں اسی خاطر تجھے دل کو نہ دیتا تھا یار
مجھ کو یہ معلوم تھا کہ مکر جائے گا

آج نظر آئے ہے تجھ پہ قیامت بہار
خون کسی کا نہ ہو مجھ کو یہ خطرہ ہے یار
بیٹھے ہیں جاں باختہ دیکھو کئی دل فگار
شمع صفت بزم میں ان کے پروانہ وار
صاحب غیرت کوئی جی سے گزر جائے گا

اپنا ہم احوال کب کہتے ہیں اس شوخ سے
ظلم کرے ہے جو کچھ سہتے ہیں اس شوخ سے
یار عرضِ حال کہتے ہیں اس شوخ سے
سختی مری یہ بہت سہتے ہیں اس شوخ سے
شفقت یاراں سے اب کچھ تو ٹھہر جائے گا

دو دل تجھے انعام میں لا تو اسے میرے گھر
مرتا ہوں میں اس کے تئیں کر اسے جا کر خبر
باتیں بناتا ہے کیا باندھ کے آ جا کمر
جھٹ ہی جھٹ میں یاں رات گئی نامہ بر
یار تلک کب مری سن کے خبر جائے گا

عشق میں رنگیں ہوا جیسے سر اپنا ٹپک
تو بھی نہ مر دیکھ کر زلف سیہ کا وہ ڈنک
اکثر رنگیں سے اب اس کو نہ دل کی جھجک
دل سے کہوں یوں نہ تو آرزو کر سے لگ
عشق بری ہے بلا اس میں تو مر جائے گا

ماخذ: دیوانِ رنگین کتب خانہ [illegible] مخطوطہ راقم

غالب پر دو اہم کتابیں

۱۔ احوالِ غالب مرتبہ مختارالدین احمد قیمت -/۹ روپیہ

۲۔ نقدِ غالب " -/۶ "

انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ

# ادارہ ادبیات اُردو

ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد (آندھرا) کا ایک قدیم اور وسیع ادارہ ہے جو ۲۷ سال سے فن و ادب کی خدمت کر رہا ہے۔ یہ ادارہ ۱۹۳۱ء میں قائم ہوا اور آہستہ آہستہ اپنے ٹھوس اور علمی اقدامات کے سبب پائدار ہو گیا۔

یہ ایک علمی اور تحقیقاتی ادارہ ہے اور اس نے اردو زبان کی نشر و اشاعت، تعلیم بالغان، سوشل ایجوکیشن سنٹر، اردو فیلوشپ اور مفید علمی و ادبی کتابوں کی اشاعت جیسے اہم کاموں کو عملی طور پر اپنے پروگرام میں شامل کیا ہے۔

ادارہ ادبیات اردو نے بڑی کوششوں کے بعد ایک بے مثل کتب خانہ قائم کیا ہے جس میں اردو کی قدیم کتابیں اور تاریخ دکن کے بیش بہا نادر محفوظ ہیں کتب خانہ میں تقریباً تین ہزار قلمی نسخوں اور بارہ ہزار سے زیادہ مطبوعہ کتابوں کا بھی سرمایہ جمع ہو چکا ہے۔ پچھلے ایک سال کے عرصے میں اس کتب خانہ میں ۸۱۸ مطبوعات اور تقریباً ایک ہزار مخطوطات کا اضافہ ہوا ہے اور سال گزشتہ سے اس کی ایک عمارت بھی زیر تعمیر ہے۔ ادارہ ادبیات اردو کے کتب خانہ سے اکثر مقامی خواتین و حضرات استفادہ کرتے ہیں جن میں عثمانیہ یونیورسٹی کے ریسرچ اسکالرس خصوصی طور پر قابل ذکر ہیں۔

اس ادارے نے ریاست حیدرآباد کے مختلف اضلاع میں اپنے امتحانات کے ذریعے سے اردو کا ذوق بڑھانے اور ملک کی جہالت کو دور کرنے میں بھی بڑا حصہ لیا ہے۔ اس کے لئے اس نے مناسب اور مفید نصاب تیار کرائے ہیں اور انھیں اردو دانی، اور اردو زبان دانی، اردو عالم اور اردو فاضل کے مختلف درجوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ان درجوں میں سول سال سے امتحانات کا سلسلہ جاری ہے جن میں کامیاب ہونے والے طلبہ کا اوسط ۸۰ — ۹۰ فی صدی سے کم نہیں ہوتا۔

ادارہ ادبیات اردو کا اپنا الگ ایک شعبۂ مطبوعات ہے جس کا بنیادی مقصد لکھنے والوں کی ہمت افزائی کرنا ہے۔ ایسے قدیم ادیبوں اور شاعروں کے کارناموں کو منظر عام پر لانا ہے جو ناقدری کا شکار رہے ہیں۔ اس کے علاوہ اس شعبہ نے دکن کے کلچر، تاریخ اور ادب پر متعدد کتابیں بھی شائع کی ہیں۔ ادارے کا "سب رس" نامی ایک ماہانہ جریدہ شائع ہوتا ہے جو ادارہ ادبیات اردو کی کارگزاریوں اور مقاصد کا ترجمان ہے۔

اس ادارے نے ۱۹۴۰ء سے تعلیم بالغان کی مہم بھی شروع کی ہے اور صوبے کے مختلف حصوں میں سوشل ایجوکیشن کی اسکیم کے تحت کئی سنٹر قائم کئے ہیں۔ ان سنٹروں میں دو کاموں پر کام کرنے والے ان پڑھ بالغوں کو لکھنا پڑھنا سکھایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ ان کو مہذب شہری بننے کے لئے جن باتوں کا جاننا ضروری ہے اس کی بھی تعلیم دی جاتی ہے۔ سوشل ایجوکیشن کا مقصد صرف لکھنا پڑھنا ہی نہیں ہے بلکہ بے روزگار افراد کے لئے ذریعہ معاش بھی فراہم کرنا ہے۔ چنانچہ کچھ سوشل مرکزوں میں جلد سازی جیسے چھوٹے موٹے فنون کے ماہرین رکھے گئے ہیں جو غیر تعلیم یافتہ لوگوں کو اس قسم کے کام سکھاتے ہیں۔ عورتوں کے سوشل ایجوکیشن سنٹر میں بھی چپل سازی اور دوسرے قسم کے کام سکھائے جاتے ہیں اور ان کی بنائی ہوئی چیزوں کو بازار میں فروخت کرنے کا انتظام بھی کیا جاتا ہے۔

ادارہ ادبیات اردو کو جہاں بلند پایہ اور ممتاز ادیبوں اور عالموں کا تعاون حاصل ہے وہاں آندھرا پردیش کی حکومت کا اشتراک بھی اسے میسر ہے۔ اس ادارے کے معتمد عمومی ڈاکٹر محی الدین قادری صاحب زور ہیں۔ زور صاحب بڑی لگن، مستقل مزاجی اور بے لوثی کے ساتھ کئی سال سے اپنے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

ادارے کو کئی شعبوں میں بانٹ دیا گیا ہے اور ہر شعبے کا ایک معتمد قائم کیا گیا ہے۔ شعبۂ علم و تحقیق پروفیسر عبدالقادر صاحب صدر شعبہ اردو جامعہ عثمانیہ کے پاس ہے۔ شعبۂ تاریخ و ثقافت پروفیسر مجید صدیقی کی نگرانی میں ہے۔ شعبۂ امتحانات، تعلیم بالغان، سوشل سنٹرس کی دیکھ بھال مولوی خواجہ حمید الدین اور مولوی عارف الدین حسن صاحبان کے سپرد کی گئی ہے اور شعبہ کتب خانہ و دارالمطالعہ کے معتمد جناب مولوی اکبر الدین صدیقی صاحب ہیں۔ ادارہ ادبیات اردو کا موجودہ کار اس کے روشن مستقبل کا ضامن ہے۔ (ملخص از سب رس)

# پٹنہ

(بسلسلہ گزشتہ)

اس مثنوی میں رام راجہ اور کنول روپ کی محبت کا قصہ ہے مثنوی کا یہ فرقہ شاعری کے بعض بہت اچھے نمونے ملتے ہیں۔

ناپیا دھر آیا لگا بادل گرجنے — اندھیری رات میں بجلی چمکنے
گھٹا بادل کی کاری جب پڑی جھوم — مرے جی بیچ برہا کرے دھوم
نکلت جائے ہے بیری جوانی — پیا پردیس ہے کیا زندگانی

حضرت آیت اللہ کا کلام ادبی حیثیت سے بلند ہے۔ لیکن موقع نہیں کہ یہاں پر ان کے نمونے پیش کئے جائیں۔ حضرت آیت اللہ کے ہمعصر شاعروں میں یہ چند نام بڑے ممتاز ہیں۔ سجاد پھلواروی، محمد روشن جوشش، شاہ رکن الدین عشق وغیرہ۔

شیخ محمد روشن جوشش اپنے زمانے کے استادوں میں شمار کئے جاتے تھے۔ ان کا دیوان قاضی عبدالودود نے ترتیب دے کر شائع کیا ہے۔ ابھی حال ہی میں جوشش کی ایک بیاض مرشد آباد کی لائبریری سے ملی ہے۔ ایک مثنوی کبوتر بازی کے کچھ اشعار سنئے۔

ایک محلے میں تھے کبوتر باز — جو فن میں سبھوں سے تھے ممتاز
ٹھاٹ تھا ان کے کبوتر کا — شہرہ تھا ان کا گھر گھر کا
بیٹھتے شیخی بگھارتے محلے کی — اک محلہ گیا، چلے پٹے کا
پینیاں دیتیں جھنڈی کے ساتھ — اڑتی تھیں کبوتروں پر ہاتھ

راجہ رام نرائن موزوں بہار کے گورنر تھے اور نواب سراج الدولہ کے معتمد خاص فارسی اور عربی کے بڑے عالم تھے۔ اردو میں اشعار کہتے تھے۔ سراج الدولہ کے بے دردانہ قتل کی خبر سن کر انھوں نے جو شعر کہا وہ آج بھی زبان زد عام ہے۔

غزالاں تم تو واقف ہو کہو مجنوں کے مرنے کی
دوانہ مر گیا آخر کو ویرانے پہ کیا گزری

اردو شاعری کے ہر دور میں بہار میں اچھے شعرا موجود تھے جب دلی میں میر اور سودا کی دھوم تھی اس وقت بہار اور خاص کر عظیم آباد میں رکن الدین عشق، راجہ بہادر راجہ، فدوی، میر غلام علی راسخ اور دوسرے شعرا کی نغمہ سنجیوں سے گونج رہا تھا ان سارے شاعروں کے نام کی فہرست پیش کرنا بھی نہیں بلکہ ناممکن ہے کیونکہ داستان طویل ہے اور وقت کم۔ لیکن میر غلام علی راسخ کا ایک دلچسپ قصہ مشہور ہے اسے سنئے۔ اس سے راسخ کا مرتبہ شاعری میں معلوم ہوتا ہے راسخ کو میر سے بڑی عقیدت تھی اور اسی جوش عقیدت میں عظیم آباد سے دلی پہنچے کہ میر صاحب کی زیارت کریں لیکن میر صاحب کی تنک مزاجی تو مشہور ہی ہے۔ جب راسخ ان کے مکان پر پہنچے اور دستک دی تو اندر سے جواب دیا کہ میر صاحب کے پاس ملنے کے لئے وقت نہیں ہے۔ راسخ کو بڑا رنج ہوا اور انھوں نے ایک شعر لکھ کر بھیج دیا ؎

خاک ہوں پر تو تیا ہوں چشم مہر و ماہ کا
آنکھ والے دیکھ جاتے ہیں غبار راہ کا

مشہور ہے کہ جب میر صاحب نے یہ شعر پڑھا تو فوراً گھر سے باہر آئے اور راسخ کو گلے لگایا۔ راسخ بڑے شاعر تھے اور ایسے حساس بھی تھا۔ انھوں نے اکثر اشعار میں تعلی سے کام لیا ہے۔

اور یہ بات تسلیم کرنی ہی پڑتی ہے کہ یہ میر غلام علی راسخ ہی تھے جنھوں نے شاعری میں دبستان عظیم آباد کی بنیاد ڈالی اور جن کے دم سے عظیم آباد اردو کا ایک مرکز تسلیم کر لیا گیا۔

میر غلام علی راسخ کے بعد تو عظیم آباد اور بہار میں اردو شاعری کا ایک کارواں نظر آتا ہے۔ ان شاعروں کی فہرست اتنی طویل ہے کہ دہرانا ناممکن ہے۔ دہلی میں جب مومن، غالب اور ذوق کا طوطی بول رہا تھا تو عظیم آباد، جعفر بلگرامی، شاہ الفت حسین فریاد، راجہ پیارے لال الفتی اور حکیم عبدالحمید پریشان کی نغمہ سنجیوں سے گونج تھا

اس عہد کے بعد تک بہار میں فضل حق آزاد، اختر بہاری اور شاد عظیم آبادی جیسے شاعر ابھرے اور بہار میں نئی علمی ادبی زندگی پھیلی۔ شاد اپنے زمانے کے بہت بڑے شاعر تھے لیکن فضل حق آزاد اور بعض دوسرے شاعروں سے ان کی معاصرانہ چشمک بھی۔ فضل حق آزاد اور ان کے احباب ایک ہفتہ وار اخبار پنچ نکالتے تھے اس میں شاد کی شاعری پر سخت چوٹیں ہوتی تھیں چنانچہ شاد نے بھی اپنے ایک شعر میں اس طرف اشارہ اور اعتراف کیا ہے۔

بتا دیا مجھے پنچ پنچ کے راستہ چلنا
خدا بھلا کرے اے شاد نکتہ چینوں کا

(باقی آئندہ)



پرنٹر پبلشر جلیل قدوائی نے نیشنل پرنٹرس کمپنی میں چھپوا کر مرکزی انجمن سے شائع کیا۔